اسلامی تہذیب اور اسکے اصول و مبادی

(۵)

زندگی کا نصب العین

گذشتہ صحبت میں جو کچھ عرض کیا گیا، اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اسلام نے ہر قسم کی دنیوی اور اخروی اغراض کو چھوڑ کر ایک چیز کو زندگی کا نصب العین اور انسان کی تمام کوششوں کا مقصود، اور تمام ارادوں اور نیتوں کی غایت الغایات قرار دیا ہے، اور وہ چیز اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کا حصول ہے۔

آیئے اب ہم دیکھیں کہ اس نصب العین میں وہ کونسی خصوصیات ہیں جو اس کو ایک بہترین نصب العین بناتی ہیں۔

طبیعی اور عقلی نصب العین کی ہم آہنگی کائنات کے متعلق اسلام کا نظریہ، جو نظریہ کی حد سے گذر کر ایمان اور یقین کی آخری حد تک پہنچ گیا ہے، یہ ہے کہ وجود کی اس غیر محدود سلطنت کا فرمانروا ایک خدا ہے، اور تمام موجودات عالم اسی کے مطیع، اسی کے تابع فرمان، اور اسی کے آگے سربسجود ہیں۔ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قَانِتُوْنَ۔ (۳۰: ۳) کارگاہ ہستی کی تمام حرکات و سکنات اسی کے حکم اور اسی کی مرضی کے ماتحت ہیں۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (۶: ۷) جتنی چیزیں اس عالم اور دوسرے تمام عوالم میں ہیں ان سب کا مرجع اسی کی ذات ہے۔ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (۲: ۲۵) اسی چیز کا نام اسلام ہے جس کے معنی ہیں

گردن جھکا دینے اور تابع فرمان ہو جانے کے تمام کائنات اور اس کا ہر ذرہ اپنی فطرت کے لحاظ سے اسی دین اسلام کا پیرو ہے، خواہ بطوع و رغبت، خواہ بقہر و جبر۔ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا (۳ : ۹) اس عالمگیر ناقابل تغیر اور ناآشنائے استثنا قانون میں تمام کائنات کی طرح خود انسان بھی جکڑا ہوا ہے، اور اس کی اپنی طبیعت و فطرت بھی اسی خدا کی مطیع و فرمانبردار، اسی کے دین کی پیرو ہے فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۔ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ (۳۰ : ۴) ۔

اس نظریہ کے مطابق تمام موجوداتِ عالم کا (جن میں انسان بھی شامل ہے) فطری نصب العین اور مقصود و مطلوب اور غایت الغایات، حضرت حق جلّ ثناؤہٗ کی ذات ہے، اور سب کی طبیعت کا رخ اسی مرکز و مرجع کی طرف پھرا ہوا ہے۔ اب انسان کے لئے بحیثیت ایک عقلی وجود کے صرف اتنی کسر رہ جاتی ہے کہ وہ اپنے اس طبیعی نصب العین کا شعور بھی حاصل کرے، اور عقل و فکر کے ساتھ اس کو سمجھ کر اپنے ارادوں اپنی نیتوں اور اپنی سعی و عمل کا رخ بھی اسی کی طرف پھیر دے اس صورت میں اس کا عقلی نصب العین، اس کے اور تمام موجودات کے طبیعی نصب العین کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائیگا۔ جہانِ ہستی کے سارے لشکر، اور نظامِ وجود کے سب کل پرزے اس مقصود تک پہنچنے میں اس کا ساتھ دیں گے، اور وہ اپنے عقلی مرتبہ کے لحاظ سے اس عظیم الشان قافلے کا سالار اور امام ہوگا۔ برعکس اس کے اگر اس نصب العین کو چھوڑ کر اس نے کسی اور چیز کو اپنا عقلی نصب العین بنایا، تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص ایک قافلے کے ساتھ ہے قافلہ مغرب کی جانب سفر کر رہا ہے، وہ شخص خود جس گھوڑے پر سوار ہے وہ بھی مغرب کی جانب دوڑ رہا ہے لیکن اس بے ہوش مسافر کو خبر نہیں کہ قافلہ کا رخ، اور اس کی اپنی سواری کا رخ کدھر ہے۔ اس کا دل مشرق میں اٹکا ہوا ہے اس نے اپنے گھوڑے کی دم کی طرف اپنا منہ کر رکھا ہے لگام کھینچ کھینچ کر اور ایڑیں لگا لگا کر کوشش کر رہا ہے کہ گھوڑا الٹے پاؤں چلے۔ چند قدم وہ گھوڑے

کو پیچھے کی طرف کھینچ بھی لاتا ہے۔ مگر پھر قافلے کی روش اور خود اپنی طبعی روش سے مجبور ہو کر گھوڑا اسی مغربی سمت میں دوڑنے لگتا ہے۔ غرض اس طرح یہ مسافر کشاں کشاں اپنی نیت اور اپنے ارادے کے خلاف اسی منزل کی طرف جانے پر مجبور ہوتا ہے مگر ایک کامیاب اور بامراد مسافر کی طرح نہیں بلکہ ایک ناکام و نامراد مسافر کی طرح کیونکہ اس نے جس چیز کو اپنی منزل مقصود قرار دیا ہے اس تک پہونچنا اسے نصیب نہیں ہوتا اور وہ ان فوائد سے بھی متمتع نہیں ہوتا جو اس قافلے کو اپنے سفر کے دوران میں حاصل ہوتے ہیں۔

۲۔ نظام اسلامی کی قوت جاذبہ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے، دین اسلام کے پورے نظام کا مرکز اور مدار خدا کی ذات ہے۔ یہ پورا نظام اسی مرکز کے گرد گردش کر رہا ہے اور اس نظام میں جو کچھ بھی ہے خواہ وہ نیت و اعتقاد کے قبیل سے ہو، یا پرستش و عبادت کے قبیل سے، یا دنیوی زندگی کے معاملات میں سے، بہر نوع اور بہر کیف اس کا رخ اسی مرکزی ہستی کی جانب پھرا ہوا ہے، اور ہر چیز اس کی قوت جاذبہ کے زبردست تاروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ خود لفظ دین (طاعت) اور لفظ اسلام (گردن نہادن) جن سے اس مذہبی نظام کو موسوم کیا گیا ہے، اپنے مسمّٰی کی فطرت و حقیقت پر بہترین دلالت کرتے ہیں، دین اور اسلام کے معنی ہی یہ ہیں کہ بندہ اپنے خدا کی رضا کے آگے سر جھکا دے، اور اسی کی مرضی کا تابع ہو جائے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (۴: ۱۸)	اس سے بہتر دین اور کس کا ہوگا جس نے اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور جو نیکوکار ہے؟۔
وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (۳۱: ۲۲)	جو کوئی اپنا رخ خدا کی طرف پھیر دے اور اس کے ساتھ وہ نیکوکار بھی ہو تو اس نے بڑی مضبوط رسّی تھام لی۔

اس سے بھی بڑھ کر فطرت اسلام کا اندازہ اس چیز سے ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم اور ان کے صاحبزادے خدا کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں، بیٹا ـ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ کہ کر اپنے آپ کو چھری کے حوالے کر دیتا ہے اور باپ اپنے لخت جگر کو محض خدا کی خوشنودی کے لئے ذبح کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ تو ان دونوں کے اس فعل کو "اسلام" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ
(۳۷ : ۳)

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں جو کچھ بھی ہے خدا کے لئے ہے۔ نماز اگر خدا کے لئے نہ ہو تو وہ ایک بے معنی اٹھک بیٹھک ہے۔ روزہ اگر خدا کے لئے نہ ہو تو وہ محض ایک فاقہ ہے۔ زکوٰۃ و خیرات اگر خدا کے لئے ہو تو خیرات اور انفاق فی سبیل اللہ ہے ورنہ محض اسراف و تبذیر ......
...... جنگ اور جہاد اگر خالصۃً للہ اور فی سبیل اللہ ہو تو بہترین عبادت ہے ورنہ ایک ناحق کی خونریزی، اور جہاد فی سبیل الطاغوت۔ اسی طرح دوسرے تمام افعال جن کا حکم اسلام میں دیا گیا ہے اگر خدا کے لئے کئے جائیں تو وہ نیک اور قابل اجر ہیں، ورنہ بے فائدہ اور بے نتیجہ اور جن سے اسلام نے منع کیا ہے، اگر ان سے اجتناب خدا کی خوشنودی کی خاطر کیا جائے تو مفید ہے ورنہ قطعاً لاحاصل

یہ زبردست مرکزیت اور یکسوئی جو اسلام کے نظام میں نظر آتی ہے اسی نصب العین کی پیدا کردہ ہے یہی قوت جاذبہ ہے جس نے نظام اسلامی کے تمام اجزاء میں ایک طاقتور مائل المرکز میلان پیدا کر دیا ہے اور جس کی بدولت یہ نظام ویسا ہی ایک مکمل اور مضبوط نظام بن گیا ہے جیسا موجودہ زمانے کے علم ہیئت کی رو سے ہمارا نظام شمسی مکمل اور مضبوط ہے اگر یہ نصب العین نہ ہوتا تو دین اسلام میں یہ نظم بھی نہ ہوتا

۳۔ فکر و عمل کی یکسوئی جس طرح اس نصب العین نے اسلام کے نظام دینی میں مرکزیت، یکسوئی اور ضبط و نظم کی قوت پیدا کی ہے۔ اسی طرح یہ انسان کے افکار و خیالات، ارادات و نیات، اور عقاید و اعمال میں بھی کامل یکسوئی پیدا کر دیتا ہے، اور یکسوئی کے ساتھ اس کو ایک ایسے بلند مطمح نظر اور

ایسے اعلیٰ وارفع مقصد کی طرف ہمہ تن متوجہ کر دیتا ہے جس سے زیادہ بلند اور عالی شان اور رفیع المنزلت کوئی مقصد اور مطمح نظر نہیں ہو سکتا جس شخص کے پیش نظر محض اپنی طبیعی خواہشات کی تسکین، یا نفسانی اغراض کی تحصیل، یا روحانی مقاصد کی تکمیل ہو، اسے کبھی فکر و عمل کی یکسوئی میسر نہیں آسکتی۔ کیونکہ عقلی و ذہنی ارتقاء اور نظری و عملی اکتشاف کے ہر مرحلے میں اس کے اندر نئی خواہشیں اور نئی رغبتیں پیدا ہوں گی اور وہ نئی نئی چیزوں کو اپنی غایت اور اپنا مقصد قرار دیگا۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ علم اور عقل کے کسی اونچے مرحلے پر پہنچ کر انسان انہی طبیعی رغبات اور نفسانی و روحانی طلبات پر جما رہے جو اس سے پہلے کے پست تر مرحلے میں اس کے لئے جاذب نظر اور محرک عمل تھے، اس طرح انسان کی تمام زندگی ایک مقصد سے دوسرے مقصد کی طرف انتقال میں بسر ہو جائے گی۔ اور کبھی کوئی ایسا مرکزی تخیل اس کے ذہن میں جاگزیں نہ ہو سکے گا۔ جو اس کے افکار میں کامل یکسوئی پیدا کر دینے والا ہو، اور جس کی راہ میں وہ اپنی تمام فکری اور عملی قوتیں صرف کر سکتا ہو۔ یہ خوبی صرف اسلامی نصب العین ہی میں ہے کہ وہ ہر مرتبۂ علمی و عقلی میں انسان کا واحد نصب العین بن سکتا ہے، اور کسی اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ پر بھی پہنچ کر اس کو بدلنے کی ضرورت نہیں پیش آتی، کیونکہ ہم جتنے عقلی اور علمی مراتب کا تصور کر سکتے ہیں، خدا کی ذات ان سب سے اعلیٰ وارفع ہے اور اس کے باوجود ادنیٰ سے ادنیٰ مرتبہ سے لے کر بلند سے بلند مرتبے تک ہر ایک کے ساتھ اس کا تعلق یکساں ہے اگر فرق ہے تو وہ محض ہمارے تعقل و شعور کے مراتب کے لحاظ سے ہے۔

۴۔ خالص بشری اجتماعیت کی شیرازہ بندی پھر جس طرح یہ نصب العین ایک فرد کا نصب العین بن سکتا ہے، اسی طرح ایک جماعت، ایک قوم، بلکہ تمام نوع بشری کا نصب العین بھی بن سکتا ہے۔ اس میں سرے سے نفسانیت اور انفرادی یا اجتماعی خود غرضی کا وہ عنصر ہی موجود نہیں ہے جس کی طبیعی خاصیت یہ ہے کہ انسانیت کو نسلوں اور قوموں میں اور پھر افراد و اشخاص میں تقسیم کر دے اور ان کے

اندر ایک دوسرے کے خلاف مقابلہ و مزاحمت اور بغض و حسد کے جذبات ابھارتا ہے۔ برعکس اس کے نصب العین انسان کو اُس ہستی کی طرف متوجہ کر دیتا ہے جس کے ساتھ تمام نوع بشری، بلکہ تمام کائنات کا تعلق یکساں ہے اور جس کی طرف متوجہ ہو جانے کے بعد ہر جہت اور ہر حیثیت سے، انسانی مقاصد میں ایسا اشتراک و اتحاد پیدا ہو جاتا ہے کہ لوگوں میں مقابلہ و مزاحمت تو درکنار، تعاون اور موالات، اخوت اور بھائی چارے کی روح پیدا ہو جاتی ہے۔ دنیا کے جتنے مادی مقاصد ہیں ان کی راہ میں دو آدمی بھی ایک دوسرے کے سچے مددگار نہیں ہو سکتے، بھائی اور بھائی، باپ اور بیٹے، ماں اور بیٹی کے لئے بھی ایک مادی مقصد میں مشترک ہو کر تزاحم اور کشمکش، حتی کہ عداوت اور دشمنی تک سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہم نے خود رحم اور خون کے تعلقات منقطع ہوتے دیکھے ہیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے بھائیوں نے بھائیوں کے گلے کاٹ دیے ہیں۔ ہماری نگاہوں سے ایسے بے شمار مناظر گذرے ہیں اور گذرتے رہتے ہیں کہ قریب سے قریب عزیزوں نے دنیوی مقاصد کی خاطر ایک دوسرے کی جان، مال، عزت اور آبرو کو تباہ و برباد کر دیا۔ یہ سب اس نفسانیت اور خود غرضی کی تاثیرات ہیں جو دنیوی اغراض و مقاصد کے عناصر ترکیبی میں سب سے اہم عنصر ہے۔ لیکن ذات حق وہ غایت الغایات ہے جس کی جانب لاکھوں کروروں انسان بیک وقت دوڑ سکتے ہیں بغیر اس کے کہ ان میں کوئی کشمکش، مقابلہ اور مزاحمت ہو، اور کسی ایک شخص کو بھی دوسرے شخص کی ٹھوکر لگے۔ برعکس اس کے یہ سفر ایسا سفر ہے جس کا ہر مسافر دوسرے مسافر کی مخلصانہ مدد کرتا ہے، اپنے آرام پر دوسرے کے آرام کو ترجیح دیتا ہے، اپنی مشقت کو دوسرے کی مشقت کے مقابلہ میں گوارا کر لیتا ہے، اور عیش و آرام کے ساتھ جانے سے بدرجہا بہتر اس کو سمجھتا ہے کہ اپنے دوسرے ساتھیوں کا بوجھ ڈھو کر، دوسروں کی خدمت کر کے، ہانپتا کانپتا، تھکا ماندا، عرق عرق، منزل مقصود پر پہنچے، اور اپنے مالک کی زیادہ سے زیادہ خوشنودی حاصل کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ نسل، رنگ، زبان، اور جغرافی حدود کے امتیازات کو مٹا کر ایک عالمگیر

قومیت کی تعمیر اور ایک بین الاقوامی انسانی جمعیت کی شیرازہ بندی کے لئے جس مرکزی تخیل کی ضرورت ہے وہ اس نصب العین میں بدرجہ اتم موجود ہے اس قسم کی جہانگیر تہذیب کے لئے اس سے بہتر نصب العین اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ایک طرف فرد کی انفرادیت کو بالکل فنا بھی نہیں کرتا۔ اور دوسری طرف انفرادیت کے تمام دافع المرکز میلانات کو مٹا کر اسے ایک خالص بشری اجتماعیت میں پوری طرح ضم کر دیتا ہے۔

۵۔ تمام انسانی مرادات کا بالتبع حصول اس نصب العین کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ دنیا میں انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے انسان کے جتنے مقاصد ہو سکتے ہیں وہ سب اس کے تحقق کے ساتھ بالتبع حاصل ہوتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ انسان ان کو بالذات مقصود بنائے۔ قرآن مجید نے ایک ایک کر کے ان سب چیزوں کو گنایا ہے جو رضائے الٰہی کے حصول کے ساتھ لازماً حاصل ہوتی ہیں۔

دنیوی زندگی میں انسان سب سے زیادہ جس چیز کا خواہشمند ہوتا ہے وہ امن و سکون، راحت اور اطمینان قلب ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ خدا کی طرف رجوع کرو۔ اور اس کی خوشنودی کے طالب ہو جاؤ۔ یہ چیز تم کو آپ سے آپ مل جائے گی۔

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۲: ۱۳)۔

ہاں جس کسی نے اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور وہ نیکوکار ہوا، تو اس کا اجر اس کے پروردگار کے پاس ہے، ایسے لوگوں کے لئے کوئی خوف نہیں ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (۱۳: ۴)

آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

دوسری چیز جو انسان دنیا میں حاصل کرنا چاہتا ہے، خوشحالی ہے، یعنی ایسی زندگی جو پریشانی اور پراگندہ خاطری سے خالی ہو۔ قرآن کہتا ہے کہ خدا پر ایمان لانے اور اس کے غضب سے بچنے، اور اس کی خاطر پرہیزگاری و نیکوکاری اختیار کرنے سے یہ چیز بھی باحسن وجوہ حاصل ہو جاتی ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (۷: ۱۲)۔

اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (۱۶: ۱۳)

جس کسی نے نیک عمل کیا اس حال میں کہ وہ مومن ہو تو خواہ وہ مرد ہو یا عورت، ہم اس کو ضرور خوشحالی کی زندگی بسر کرائیں گے اور یقیناً ایسے لوگوں کو ہم ان کے عمل سے بہت زیادہ اچھا بدلہ دیں گے۔

تیسری چیز حکومت و فرمانروائی اور غلبہ و سربلندی ہے جو انسان کی بڑی مطلوب و مرغوب چیز ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تم خدا کے ہو جاؤ۔ یہ متاع خود تمہارے قدموں میں آ رہے گی۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ (۵: ۸)۔

جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور ایمان لانے والوں کا دوست ہو گیا (وہ اللہ کی پارٹی میں شامل ہو گیا اور اللہ کی پارٹی ہی غالب ہونے والی ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ (۲۱: ۷)۔

اور ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے صالح بندے ہوں گے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ضرور ان کو زمین میں خلافت عطا کرے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔ اور وہ ضرور ان کے

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا۔ (۲۴: ۷) اس دین کو استحکام بخشیگا جس کو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے، اور خوف کے بدلے ان کو امن عطا کریگا

اسی طرح اخروی زندگی میں نجات انسان کی مطلوب ہے اور اس کے متعلق بھی قرآن کہتا ہے کہ وہ صرف خدا کی رضا اور اس کی خوشنودی کے حاصل ہونے کا نتیجہ ہے :۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي (۸۹) اے نفس مطمئن اپنے پروردگار کی طرف واپس ہو۔ اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی پھر (خدا کہے گا کہ) تو میرے بندوں میں شامل اور میری جنت میں داخل ہوجا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں نے جتنی چیزوں کو مقصود اور غایت قرار دیا ہے، اسلام نے ان کی طرف توجہ بھی نہیں کی۔ بلکہ اس چیز کو اپنا مطمح نظر بنایا ہے۔ جس کے حصول سے یہ سب چیزیں خودبخود حاصل ہوجاتی ہیں۔ دوسرے جن چیزوں کو اپنا نصب العین قرار دیتے ہیں مسلمان کی نگاہ میں وہ اس قابل ہی نہیں کہ وہ ان کی طلب میں اپنے قلب کو ایک لمحہ کے لئے بھی الجھنے دے اس کے پیش نظر تو ایک ایسا نصب العین ہے جو ان سب سے، اور جہان ہستی کی ہر چیز سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اور وہ جانتا ہے کہ جب اس بلند ترین مقصود کو وہ پہنچ جائے گا تو اس کے تحت جتنی چیزیں ہیں وہ اس کو آپ سے آپ حاصل ہونگی۔ بالکل اسی طرح جس طرح عمارت کی سب سے اونچی منزل پر پہنچ جانے والا اس کی تمام منازل کو اپنے قدموں کے نیچے پاتا ہے۔

۶۔ تقویٰ اور نیکوکاری کے لئے بہترین محرک ایک اور خصوصیت اس نصب العین کی یہ ہے کہ اسلام نے پرہیزگاری اور نیکوکاری کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا ہے، اور اس کے لئے اوامر و نواہی کا جو ضابطہ پیش کیا ہے، اس کے اتباع پر انسان کو آمادہ کرنے کے لئے صرف یہی نصب العین ایک شریف

اور پاکیزہ نصب العین ہو سکتا ہے۔

دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ نیکی اس لئے ہونی چاہیئے کہ وہ نیکی ہے۔ اور بدی سے اس لئے اجتناب ہونا چاہیئے کہ وہ بدی ہے لیکن جو لوگ ایسا کہتے ہیں ان کو یہ بھی معلوم نہیں ہے۔ کہ ان کے اس قول کا مفہوم کیا ہے نیکی محض نیکی کی خاطر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہر قسم کے فوائد و منافع سے قطع نظر کر کے نیکی بجائے خود نیکی ہے اور وہ انسان کی مقصود بن سکتی ہے۔ اور اسی طرح بدی سے محض اس کے بدی ہونے کی بنا پر اجتناب کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ تمام مضرتوں اور نقصانات سے مجرد کر کے بدی اپنی ذات سے بدی ہے، اور اس کی ذات میں کوئی ایسی چیز ہے جو انسان کے لئے قابل اجتناب ہو سکتی ہے۔ مگر حقیقتاً دنیا میں انسان کے لئے کسی ایسی خالص نیکی کا وجود ہی نہیں ہے جو ذات فاعل کی طرف عائد ہونے والے تمام فوائد و منافع سے مجرد ہو۔ اور نہ کسی ایسی خالص بدی کا وجود ہے جو فاعل کی ذات کو پہنچنے والی جملہ مضرتوں سے خالی ہو۔ بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ انسان کے ذہن میں نیکی اور بدی کا تخیل ہی فائدے اور نقصان منفعت اور مضرت کے تجربات سے پیدا ہوا ہے۔ انسان ہر اس فعل کو نیک کہتا ہے جس سے خود اس کو کوئی حقیقی فائدہ حاصل ہو اگرچہ وہ بظاہر اپنے اندر کچھ مضرتیں بھی رکھتا ہو۔ اسی طرح انسان ہر اس فعل کو بد کہتا ہے جس سے خود اس کی ذات کو کوئی حقیقی مضرت پہنچتی ہو، خواہ وہ ظاہر نظر میں اپنے اندر کچھ منفعتیں بھی رکھتا ہو۔ اگر کسی فعل کو فائدے اور نقصان کے جملہ پہلوؤں سے مجرد کر لیا جائے۔ اور وہ فعل محض ایک حرکت رہ جائے تو ہم اس پر نیک یا بد ہونے کا کوئی حکم نہیں لگا سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ نیکی کا ملکہ راسخ ہو جانے اور بلند عقلی مراتب پر پہنچ جانے کے بعد یہ ممکن ہے کہ انسان فائدے اور نقصان کے تصور سے خالی الذہن ہو کر نیکی محض نیکی کی خاطر کرنے لگے، اور بدی سے محض اس کے بدی ہونے کی بنا پر مجتنب رہے لیکن اول تو یہ فقط مبدا رخیر و شر کی طرف سے ذہول ہے نہ کہ اس کی مبدائیت کا سلب، دوسرے یہ محض فلسفیوں کے تخیل کی معراج ہے جس تک پہنچنا بڑے بڑے حکما رکو بھی نصیب نہیں ہوا ہے پھر بھلا عام انسان مجرد نیکی

کے اختیار اور مجرد بدی سے اجتناب کو اپنا نصب العین کیونکر بنا سکتے ہیں؟

اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ نیکی اور بدی کے تصور کو فائدے اور نقصان کے تصور سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ نیکی فی نفسہٖ انسان کی مراد نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کی تہ میں کوئی فائدہ مضمر نہ ہو، اور بدی بذات خود قابل اعتراض قرار نہیں پا سکتی تاوقتیکہ اس کے باطن میں کوئی نقصان پوشیدہ نہ ہو۔ اب اگر ہم تقویٰ اور نیکوکاری کو خود غرضی کے ادنیٰ مرتبے سے اٹھا کر بے نفسی اور خلوص کے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچانا اور اسے ایک ایسے ضابطۂ اخلاق کی بنیاد قرار دینا چاہیں جو عوام و خواص سب کے لئے ہو تو اس کی بہترین صورت یہی ہے کہ فائدے اور نقصان کا ایک ایسا معیار قائم کیا جائے جو مادیت اور نفسانیت سے بالاتر ہو اور جس کی بنیاد پر تمام مادی اور نفسانی نقصانات سے لبریز ہونے کے باوجود ایک نیک عمل، انسان کی نگاہ میں سراسر فائدوں سے مملو نظر آئے، اور ہر قسم کی منفعتوں سے پر ہونے کے باوجود ایک بد عمل اس کو سرتاپا نقصان محسوس ہو۔ یہی طریقہ اسلام نے اختیار کیا ہے۔ اس نے رضائے الٰہی کے حصول و عدم حصول کو فائدے اور نقصان کا معیار قرار دیا ہے۔ جو مادی اور نفسانی آلائشوں سے بالکل پاک ہے۔ اور اس معیار کے مطابق ایک نیکوکار انسان اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان، مال، اولاد، نیک نامی، شہرت ہر چیز کو قربان کر کے بھی یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ فائدہ میں ہے۔ اور ایک بدکار انسان خدا کا غضب مول لینے کے بعد دنیا کے تمام مادی اور نفسانی فوائد حاصل کر کے بھی یہ خوف رکھتا ہے کہ وہ نقصان میں ہے۔ یہی چیز ہے جو انسان کو تمام دنیوی فائدوں اور نقصانوں سے بے نیاز کر کے خلوص نیت کے ساتھ تقویٰ اور نیکوکاری اختیار کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔